حالات حاضرہ

نئ صدی کس کی ہوگی؟

ترکی کے انتخابات میں رفاہ پارٹی کی کامیابی پر برطانیہ کے اخبار گارجین (۸ جنوری ۹۶) میں جان اورلے نے جو تبصرہ کیا ہے اسے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ مغرب ان نتائج کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے۔ (مدیر)

کیا آنے والی صدی جانے والی اس صدی کے مشابہ ہوگی جس میں مغرب کی طاقت اور اقدار کی گرفت دنیا کے آخری کونوں تک پہنچ گئی تھی؟ ۱۹۹۶ میں اور اس کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کا ایک اندازہ ترکی میں کرسمس کے موقع پر ہونے والے انتخابات کے نتائج سے کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی پارٹی رفاہ نے پارلیمنٹ میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کر کے ملک کی دو بڑی متحارب، سیکولر پارٹیوں کو مذاکرات پر مجبور کر دیا ہے تاکہ رفاہ کو حکومت میں شرکت سے محروم کیا جاسکے۔ ان مذاکرات کا جو بھی نتیجہ ہو، یہ انتخابی نتائج ۷۰ سال قبل کمال اتاترک کی قائم کی ہوئی سیکولر مغرب نواز جمہوریت کے لیے ایک تاریخی موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملک سیاسی عدم استحکام کے ایک دور میں داخل ہو رہا ہے جس میں اس کے مغربی سیکولر ورثہ کے مستقبل کے بارے میں کوئی یقین دہانی نہیں کی جاسکتی۔ اس میں ان سب لوگوں کے لیے بڑے پریشان کن مضمرات ہیں جو پوری دنیا میں مغربی سیکولر اقدار اور ارادوں کو رائج دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مغربی حکمت عملی کی اس بنیاد کو ہی ختم کر دیتی ہے جو اس یقین پر استوار ہے کہ مغربی تہذیب کو اختیار کرنا اور جدید ترقی یافتہ ہونا ایک ہی بات ہے۔ ترکی کی مثال ان بہت سی مثالوں میں سے ایک ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کو مرکز دنیا سمجھنے کا تصور ایک فریب ہے۔ صدی کے اختتام پر ہم جس عہد میں داخل ہو رہے ہیں وہ مغربی تہذیب کے ساری دنیا میں رائج ہونے کا نہیں، بلکہ اس کے برخلاف ایک ایسا عہد ہوگا جس میں مغربی اقدار اور نمونوں کو دنیا کے بیش تر حصوں میں مسترد کیا جائے گا۔

یہ عقیدہ کہ ایک جدید ریاست کو مغربی ماڈل کا چربہ ہونا چاہیے، ان انقلابی اصلاحات کی بنیاد تھا جن سے اتاترک نے ۱۹۲۳ میں ترک جمہوریہ کا آغاز کیا۔ اس نے خلافت اسلامی کو ختم کر دیا، عربی

رسم الخط کے بجائے رومن رسم الخط نافذ کر دیا، دینی مدرسوں کو خلاف قانون قرار دے دیا اور ایسا لباس پہننے پر مجبور کیا جس میں چادر اور ترکی ٹوپی پہننا ممنوع تھا۔ وہ ایک فوجی ہیرو تھا۔ اس نے مغرب کا سول لا رائج کیا اور سلطنت عثمانیہ کے ملبہ سے ترکی کی جدید ریاست تخلیق کی۔ اپنے معاصر لینن کی طرح اس نے اپنے ملک کی روایات کو پسماندگی کی علامت اور یورپی طاقتوں کی اقدار کو اختیار کرنے اور ان کے اداروں کی نقالی کرنے کو ترقی قرار دیا۔

مغرب اور ترقی کے ہم معنی ہونے کے اسی نظریہ کو آج ترکی میں سنجیدہ چیلنج درپیش ہے۔ رفاہ بڑھتی ہوئی دیہی آبادی اور شہری علاقے کے غریبوں کی حمایت حاصل کرنے میں بائیں بازو کی جگہ لینے میں کامیاب رہی ہے۔ اسی حمایت کی بنیاد پر یہ مغربی سیکولر پارٹیوں کے مقابلہ پر آئی اور وزیراعظم تانسو چیلر کی اس حکمت عملی کو مشکوک بنا دیا کہ وہ ترکی میں اسلامی پارٹیوں کے عروج کی لہر کو روکنے کے لیے یورپین پارلیمنٹ سے کسٹمز یونین کے فوائد حاصل کریں۔

رفاہ کی انتخابی کامیابی سیکولر پارٹیوں کو نکال باہر کرنے یا ترک ریاست کے لیے حقیقی چیلنج بننے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ترکی، ابھی مصر یا الجیریا نہیں ہے جہاں غیر مستحکم اور منتشر ریاست میں مغربی اعلیٰ طبقہ کے افراد اسلامی بغاوت کے خلاف فوجی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ کرد نسلی گروپ کی علیحدگی کی تحریکیں بھی اتنی مضبوط نہیں ہیں کہ اتاترک کی قائم کردہ ریاست کے ٹکڑے کر سکیں۔ لیکن اس کے باوجود ترکی کے اسلامی احیا کے مراحل دوسرے اسلامی ملکوں سے مماثل ہیں۔ اسلام کا طاقتور سیاسی احیا جدیدیت کے ان نظریات پر ایک تباہ کن حملہ ہے جو دوسری جنگ کے بعد سے مغربی طاقتوں کی پالیسیوں کی تشکیل کرتے رہے ہیں۔

ان نظریات کے مطابق جدیدیت، شہرکاری اور صنعتکاری کا عمل، خواندگی میں اضافہ اور نئی ٹیکنالوجیز کی مقبولیت سے ایک وقت گزرنے کے بعد بالآخر سیکولر لبرل ثقافت جنم لینا تھی، جیسا کہ مغربی یورپ میں ہوا۔ یہ ہمیشہ ایک مشتبہ دعویٰ رہا جس کی اساس تاریخ کی اصل شہادت کے بجائے اس کی مخصوص تعبیر پر تھی۔ امریکہ کی تاریخ سے اس کی تائید نہ ہوتی تھی جہاں صنعت اور ٹیکنالوجی کی جدید ترین شکلیں عیسائی بنیاد پرستی کی قدامت پسند تعبیر کے ساتھ ساتھ کامیابی سے چلیں۔ درحقیقت اس نظریہ کی بنیاد چند یورپی ممالک کے تاریخی تجربات پر تھی اور اب ملائیشیا جیسے ملکوں کی مثالوں سے بلاخوف تردید غلط ثابت ہو چکا ہے۔ جہاں معاشی ترقی بیشتر یورپی ممالک سے بر تر رہی ہے اور اس لیے یا اس کے باوجود حاصل ہو سکی ہے کہ حکومت کے مغربی ماڈل مسترد کر دیے گئے تھے۔

ترکی اور ملائیشیا کی تاریخ اور حالات بہت مختلف ہیں لیکن دونوں ملکوں میں یکساں تاریخی عوامل کارفرما رہے ہیں جہاں غیر مغربی لوگ جدیدیت اور ترقی کے مغربی ماڈل کو اپنی تہذیب و روایات کے

لیے نقصان دہ قرار دے کر مسترد کر رہے ہیں۔

یہ تحریک صرف مسلمان معاشروں تک محدود نہیں ہے۔ مشرقی ایشیا کی ٹائیگر معیشتیں اپنی غیر معمولی کامیابی کا سبب مغربی انفرادیت پسندی اور معاشی آزادروی اختیار نہ کرنے کو بتاتی ہیں۔ صرف ایک نسل کے دوران سنگا پور کا تیسری دنیا کے ایک ملک سے ایسے ملک میں تبدیل ہو جانا جہاں آمدنی کی سطح اور اوسط خاندان کے لیے طبی سہولتیں برطانیہ اور نیوزی لینڈ جیسے مغربی ممالک سے بہتر ہیں' کسی مغربی ماڈل کی نقالی سے نہیں ہوا ہے۔ چین کے ارباب کار مارکسزم کے مغربی اثرات سے آزاد ہونے میں کسی مغربی ملک کے بجائے سنگا پور کو اپنے معاشروں کے لیے نمونہ قرار دیتے ہیں۔

چینی اور اسلامی دنیا میں اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ مغرب نے اپنی اقدار اور اداروں کی جو عالمی حیثیت بنائی وہ ۱۶ ویں صدی کے بعد کے مختصر عرصے میں مغربی ریاستوں کے تسلط کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہ تھی۔

مغربی ممالک پر اس عیاں ہوتی ہوئی حقیقت کے اعتراف کے اثرات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ عہد جس میں وہ ساری دنیا کے حاکم اور رہنما تھے اب ختم ہو چکا ہے۔ ہم یہ یقین ضرور رکھ سکتے ہیں کہ یہ بہت طویل ہو گا اور اس دوران بہت کچھ ردو قبول ہو گا۔ اس کو تسلیم کرنا خصوصاً امریکہ کو ہلا کر رکھ دے گا۔ جہاں کسی شک و شبہ کے بغیر یقین کیا جاتا ہے کہ سارے انسان امریکن پیدا ہوئے تھے اور پھر کسی حادثے کی وجہ سے دوسری تہذیبوں میں شامل ہو گئے۔ ۲۱ ویں صدی میں غیر مغربی ممالک کی معاشی ترقیاں مغربی معاشروں کو ان کا یہ زعم ختم کرنے پر مجبور کر دیں گی کہ وہ ترقی کی شاہراہ پر آگے راستہ دکھانے والے لوگ ہیں۔

مغربی تہذیب و تمدن کو یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہونا ہو گا کہ ہم کسی عالمی تہذیب کے پیش رو نہیں ہیں۔ ہمیں تو مستقبل کے اس منظر کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہونا چاہیے جب غیر مغربی ممالک ہمیں اتنی ہی عزت دیں جتنی ہم نو آبادیاتی دور میں ان کو دیتے رہے۔ ترکی میں اسلامی قوتوں کی پیش قدمی کا زیادہ بنیادی سبق یہ ہے کہ آنے والی صدی میں دنیا بھر میں جو تنازعات کارفرما رہیں گے وہ مغربی نظریات کے درمیان نہیں ہوں گے۔ ان تنازعات کو جنگجو مذہبوں' نسلی احیا اور محدود قدرتی وسائل پر اضافہ آبادی کے دباؤ سے ایندھن فراہم ہو گا۔ اسی طرح کی دنیا میں ہم کو لبرل اقدار کی اشاعت کی امید نہیں رکھنا چاہیے۔ لبرل اقدار کے لیے تو مسئلہ اپنی بقا کا ہو گا۔ (ترجمہ: مسلم سجاد)۔